



## سوال

(518) ہم لوگ کس حساب پر طاق راتوں میں عبادت کریں؟

## جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہم لوگوں کو اتیسویں کا چاند نظر نہیں آیا۔ اس سے شعبان کی تیس گنتی پوری کر کے روزہ رکھا۔ اور قرب و جوار سے مثلاً دو میل سے لے کر چالیس میل تک کی خبریں چاند دیکھنے کی موصول ہوئیں۔ آپ لوگ فرمائیں ہم لوگ کس حساب پر طاق راتوں میں عبادت کریں۔ اور کیا روزہ بھی قضا رکھنا ہوگا۔ (عبداللہ وزیا نگر م)

## الجواب بعون الوهاب بشرط صحیحہ السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

اگر قرب و جوار سے معتبر شہادتیں مل جائیں کہ چاند دیکھا گیا ہے تو آپ اسی حساب سے شمار رکھیں اور بعد میں ایک روزہ قضا کریں بہت دور کی شہادت آپ کے لئے حجت نہیں۔

## تشریح

- 1- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مقتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ روایت بلال کے لئے شرع شریف میں کوئی مسافت م متعین نہیں ہے۔؟ اگر بے توکتے میل کی؟
- 2- کیا مدارس کے مسلمان دہلی کی روایت کا اعتبار کر سکتے ہیں۔ جب کہ دہلی ایک ہزار سے زیادہ فاصلہ پر واقع ہے۔ نیز دہلی اور مدارس کے غروب کے وقت میں نصف گھنٹہ کا فرق ہے۔
- 3- کیا ریڈیو تار ٹیلی فون کی خبریں اور شہادتیں شریعت اسلامیہ میں قابل تسلیم ہیں۔
- 4- ریڈیو پر ایسا آدمی جو شہادت شرعی کے معیار پر صحیح اترتا ہو ہندوستان کے کسی حصہ سے اعلان کرے کہ میں پچھم خود چاند دیکھا تو کیا تمام ہندوستان کو عید کرنی جائز ہے۔؟ اسی پر ٹیلی فون اور تار کو قیاس فرمائیں۔؟
- 5- کیا بارہ بجے دن کی شرعی تحقیق ہو جائے۔ اور شرعی شہادت کے زریعہ ثابت ہو جائے کہ 29 کو چاند ہوا تو 12 بجے کے بعد روزہ توڑنا جائز ہے۔ ینوا توجروا (سید عزیز اللہ از مدراس)

الجواب۔ دوسرے شہر کی رویت بلال کے اعتبار میں مسافت یعنی میلوں کی تعین کی کتاب و سنت میں کوئی صریح نص نہیں۔ اس لئے علمائے کرام کے اجتہادی اقوال اور مذاہب اس امر میں مختلف ہیں اور سوائے قول اختلاف مطلع کے جس کی تحقیق آگے آتی ہے کوئی قول قابل وثوق نہیں۔ کریب کی روایت سے ابن عباس کے جمل قول امرنا سے بعض نے لکل اهل بلد رویت کے باب کو حدیث سمجھ لیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ یہ تو اجتہادی قول ہے۔ اصل دلیل حدیث نبوی ﷺ "صوم الرویتہ وانظر والرایتہ" (صحیح بخاری) ہے یہ خطاب عام ہے۔ کوئی مسلم کہیں چاند دیکھے چاند ہو گیا۔ عید الفطر وغیرہ کے لئے دو شخص کی رویت لازمی ہے۔ اور روزہ رمضان رکھنے کے لئے ایک شخص کی شہادت بھی کافی ہے۔ جس کی تفصیل سنن وغیرہ میں یہ بھی ہے۔ کہ آخر رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ اونٹوں پر سوار دروازے سے ایسے وقت میں آئے کہ عید کی نماز کا وقت نہیں رہا تھا۔ یعنی بعد دوپہر وہ لوگ حاضر ہوئے تھے۔ انھوں نے یہ شہادت دی کہ ہم لوگوں نے اپنے موضع یا شہر میں چاند دیکھا تھا۔ تو آپ ﷺ نے اسی وقت لوگوں کے روزے افطار کرائیئے۔ اور دوسرے روز عید کی نماز پڑھائی۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دوسرے شہر کے لوگوں کی رویت بلال کی شہادت کا اعتبار ہے۔ بشرط یہ کہ دوسرے شہر کا مطلع اس شہر سے مختلف نہ ہو۔ مختلف مطلع یہ کہ مثلاً ایک شہر یا موضع میں دن ہے۔ تو دوسرے میں رات ہے۔ یا ایک جگہ ظہر کی نماز کا وقت ہے۔ تو دوسرے میں عصر یا مغرب کا اگر ایسا ہو تو پھر وہاں کی رویت دوسروں کے لئے کافی نہ ہوگی۔ تا وقت یہ کہ وہ یا اس کے متفق مطلع والے چاند نہ دیکھ لیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ مثلاً جس شہر یا موضع میں دوسرے شہر سے چند گھنٹے پہلے زوال ہوگا۔ ان کو حکم ہے کہ ظہر کی نماز ادا کریں۔ اور اس وقت دوسرے شہر والوں کو جن کا مطلع ان سے مختلف ہے۔ اور ابھی زوال میں کئی گھنٹے باقی ہیں۔ نماز ظہر پڑھنا منع ہوگا۔ اس لئے کہ ابھی یہاں زوال نہیں ہوا۔ اور پہلوں کو نماز ظہر پڑھنا فرض ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مختلف المطالع کا حکم الگ الگ ہے۔ اگر دوسرے شہر والے پڑھنا بھی چاہیں۔ تو اول تو ہر جگہ اس کا علم مشکل ہے۔ اگر کسی طرح معلوم کر کے پڑھ بھی لیں۔ تو پھر جب ان کے ہاں زوال ہو تو اگر وہ دوبارہ ظہر نہ پڑھیں۔

### أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوكِ الشَّمْسِ ۗ۸ سورة الإسراء

اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہوگا۔ اور اگر دوبارہ پڑھیں۔ تو اس میں یہ اشکال ہے کہ ایک دن رات میں جو پانچ نمازیں فرض ہیں۔ کم و بیش نہیں۔ اس صورت میں پانچ سے زائد کیا؟ بے شمار ہوں گی۔ اس لئے کہ جو میں گھنٹے میں ہر وقت کہیں نہ کہیں ظہر عصر وغیرہ کا وقت ہوتا ہے۔ تو ہر وقت نماز فرض ہوگی۔ تو اول تو ہر وقت کا علم محال دوم پڑھنا بھی محال نیز اس صورت میں تکلیف بالحال لازم آتی ہے۔ اور یہ سب امور باطل ہیں۔ لہذا یہ صورت بھی باطل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن شہروں کے آپس میں مطالع مختلف ہوں۔ ان کی رویت بلال دوسروں کے لیے معتبر ہوگی۔ بعض فقہاء کرام نے اختلاف مطالع کی تعین مسافت ایک مہینے کے راستے سے کی ہے۔ مگر یہ بھی اس کریب والی اوپر کی روایت سے استنباط کی ہے۔ سو اول تو روایت کریب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ چاند دیکھ کر فوراً وہاں سے چلے یا ٹھہر کر نیز وہ کس تاریخ کو مدینہ منورہ پہنچے۔ کتنے دن چلتے رہے پھر ایک ماہ کے راستے میں لجمال ہے۔ کہ رفتار سپید کی یا سواری کی اس میں بہت بڑا فرق ہے۔ پھر راستہ میدان کا یا پہاڑی ٹیٹھا تھتھا یا دریائی ایر پھیر کا کبھی ان امور میں زمین آسمان کا فرق ہوجاتا ہے۔ تحقیق جدید سے معلوم ہوا ہے کہ مدینہ منورہ اور شام کے مطلع میں پندرہ میس منٹ کا فرق ہے۔ اور یہ اختلاف رویت بلال کے حکم میں معتبر نہیں جس کی تحقیق آگے آتی ہے۔ مسافت کم میں مدار شمس کے اختلاف مطالع کی نمازوں میں گھنٹوں کے اعتبار سے ان دیار میں بہت کمی بیشی ہے۔ متوسط اختلاف کا لحاظ کیا گیا۔ یعنی ظہر عصر یا مغرب کے وقت کا اختلاف جو عموماً تین گھنٹے سے کم نہیں ہوتا۔ لہذا جہاں دو شہروں کے طلوع وغروب میں تین گھنٹے کا اختلاف ہو وہ مختلف مطالع میں شمار ہوں گے۔ اور جن کا اس سے کم ہو وہ اس سے خارج ہوں گے۔ جواب لکھا ہوا بوجہ علالت طبع رکھا ہوا تھا۔ کہ انبار الہدیٰ مورخہ 29 شعبان 1361 ہجری میں مولانا کا جواب بھی نظر سے گزارا کہ مسافت متعینہ کی روایت میرے علم میں نہیں ہاں علم ہیئت سے اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ غالباً تیس میل کے فاصلے پر اختلاف مطالع ہوجاتا ہے۔ امرتسر سے لاہور کا فاصلہ تیس میل کا ہے۔ اتنے فاصلے پر تین منٹ کا اختلاف ہے۔ اگر امرتسر میں چھ بجے سورج غروب ہوتا ہے۔ تو لاہور میں پچھ بج کر 33 منٹ ہوتا ہے۔ اس لئے اختلاف مطالعہ کی وجہ سے رویت قبول نہیں کی جائیگی۔ "انہا" میں کہتا ہوں کہ اوپر کی سنن کی حدیث سے ثابت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو دروازے کے اونٹوں کے سوار آخر رمضان میں ہوئے تھے۔ اور انھوں نے کہا تھا کہ ہم نے گل اپنے شہر یا موضع میں چاند دیکھا تھا تو ان کے کہنے پر حضور ﷺ نے بعد دوپہر روزہ افطار کر کے دوسرے روز نماز عید کو پڑھنے کو کہا تھا۔ وہ غالباً تیس میل یا اس سے بھی زائد ہی سے آئے تھے اس سے ثابت ہوا کہ اس قدر اختلاف مطالع کا شرع میں اعتبار نہیں۔ نیز اختلاف مطالعہ مدار شمس کے اختلاف سے بھی ہوتا ہے۔ خواہ مسافت کم ہی ہو۔ او مطلقاً 33 میل مستلزم اختلاف مطالعہ نہیں۔ تا وقت مدار شمس کا فرق نہ ہو نیز مکہ معظمہ اور جدہ کے درمیان کا فاصلہ پچاس میل کا ہے۔ اور ایسا کبھی معلوم نہیں ہوا کہ مکہ والوں نے جدہ والوں کی رویت کا اعتبار نہ کیا ہو۔ بالعکس۔ نیز اگر 33 میل کے اختلاف کا اعتبار ہوتا۔ تو پھر اختلاف مطالعہ میں امت کا اختلاف ہی نہ ہوتا۔ اس لئے کہ یہ تو عموماً ہوا ہی کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ متواتر اور مشہور ہوجاتا اور اختلاف نہ رہتا۔ وازلیس فلیس



نیز جب 33 میل پر تین منٹ کا اختلاف مطلع ہے۔ تو گیارہ میل پر ایک منٹ کا ہوگا۔ پھر اگر مطلقاً اختلاف مطلع کا اعتبار ہوگا۔ تو گیارہ پر بھی ہوگا تو اول تو یہ اوپر کی سنن وغیرہ کی حدیث سے باطل ہے۔ کے اس سے زائد فاصلے کی رویت بلال کا رسول اللہ ﷺ نے اعتبار کیا۔ دوم اس سے مکہ والوں کو عرفات کے پرلے سرے جو گیارہ میل پر ہو رہے بلال کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔ اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں اس سے تو لازم آتا ہے کہ دہلی والے غازی آباد 12 میل اور قطب میل وغیرہ کی رویت بلال کا بھی اعتبار نہ کریں۔ یہ بھی بالکل غلط ہے کوئی اس کا بھی قائل نہیں۔ تو جب تک اختلاف مطلع کی حد شرع سے نہ ثابت ہو قابل قبول نہیں۔ کتاب وسنت سے صراحتاً ثابت ہو۔ یا استنباط اور اوپر جو میں نے لکھا ہے۔ وہ کتاب وسنت سے مستنبط ہے۔ کہ اگر بالکل اختلاف مطلع کو تسلیم نہ کیا جائے مگر شرع سے اس کی کوئی حد نہ مقرر کی جائے۔ تو ہر دو صورت میں تکلیف مالیطاق اور محال لازم آتا ہے۔ جو باطل ہے جس سے شریعت محمدیہ پاک ہے۔ لہذا جو کچھ اوپر کتاب وسنت کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ وہی قابل قبول ہے۔ اور بس۔

جواب نمبر 2۔ کا جواب نمبر 1۔ میں آگیا کہ دہلی اور دہرا س کے طلوع وغروب میں چونکہ نصف گھنٹے کا فرق ہے۔ جو تین گھنٹے سے کم ہے۔ لہذا ان کو ایک دوسرے کی رویت بلال کا اعتبار نہ ہوگا۔

جواب نمبر 3۔ تارکی خبر کو عموماً علماء کرام و اساتذہ عظام تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے کہ تار کے کارکن اکثر بالکل کافر اور غیر مسلم ہوتے ہیں۔ اور کافر کی خبر دیانت میں مقبول نہیں (در مختار وغیرہ) نیز یہ رویت بلال محض خبر نہیں اس میں شہادت اور نصاب شہادت اور مجلس قضا بھی ہے۔ اور یہ خبر غائب ہے۔ اس میں معرفت خبر کی لازم ہے۔ اور یہ امور تارکی خبر میں مفقود لہذا ردود ہے تو جواب یہ ہے کہ اول تو فقہاء کا یہ کلیہ کہ ہر امر دینی میں ہر کافر کی خبر کسی حالت میں بھی مقبول نہیں۔ بچند وجود مستفوض ہے۔ وجہ اول یہ کہ کافر فاسق کی خبر کے عدم اعتبار کو آیت۔

إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا ۖ سوره الحجرات

سے استنباط کیا گیا ہے۔ حالانکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اس سے کافر کی خبر مطلقاً تردید نہیں ہوتی۔ بلکہ تحقیق پر موقوف ہے۔ لہذا بعد تحقیق و ثبوت مقبول ہوگی۔ تو گویا من وجہ یہ آیت بھی دلیل قبول کی ہے۔ دوم وجہ قول باری تعالیٰ جل مجدہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِهِمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ إِخْتَانٌ ذُو عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ إِخْرَانٍ مِّنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ - ۱۰۶ سوره المائدہ

اس آیت سے کافر کی خبر شہادت بجاالت سفر شرعاً ثابت ہے۔ اس کی شہادت پر خبر پر میت کی وصیت و ادا دیوان اس کے اور ترکے کی تقسیم اس کی عورت کی عدت و نکاح ثانی۔ و نماز جنازہ غائب۔ اس کے بچوں پر حکم یتیم کا ثبوت اس کی ضمانت کا اسقاط وغیرہ موقوف ہیں۔ اور یہ امور دینی ہیں۔ خصوصاً نماز جنازہ غائب و وصیت تعمیر مسجد وغیرہ۔ وجہ سوم رسول اللہ ﷺ نے بوقت ہجرت مدینہ منورہ ایک کافر کو اپنی سواری کی اوٹھیاں دے کر کہا کہ فلاں وقت لا کر ہم کو مخفی راستہ سے مدینہ پہنچا دو اس نے ایسا ہی کیا ہجرت امر دینی ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے کافر کے قول و عمل کا اعتبار کیا اور حضور ﷺ کا یہ امر دینی ہے۔ (صحیح بخاری)

وجہ چہارم واقعہ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک کافر کو جاسوس بنا کر کفار کا حال معلوم کرنے کو بھیجا اس نے آکر خبر دی۔ اس پر اعتبار کر کے رسول اللہ ﷺ نے مقابلے کرنے کے بارے میں مشورہ کیا (بخاری) اس سے بھی کافر کی خبر کا اعتبار ثابت ہوا۔ کہ یہ سفر حضور ﷺ کا عمرہ کے لئے تھا۔ پھر جنگ کے بارے میں مشورہ کیا مگر جنگ ملتوی کیا گیا بہر حال عمرہ ہو یا جنگ کفار دونوں امر دینی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کافر کی خبر دیانت میں مطلقاً مردود نہیں۔ بعد تحقیق و ثبوت قرآن مصدقہ بعض امور میں بعض اوقات مقبول بھی ہے۔ مثلاً اگر کسی اعلیٰ افسر نے دہلی سے کانپور شب کو تاروت کر وہاں کے نائب کو بلایا کہ تم یہاں آ جاؤ۔ اس کے فوراً جواب دیا کہ یہاں آج چاند ہو گیا ہے صبح مسلمانوں کی عید ہے۔ مجھے یہاں کا انتظام کرنا ہے۔ تو بتائیے اس کے صدق میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں ایسے ہی اگر کوئی نایاب یا ضعیف البصر کسی ایسے ہی مقام میں قید ہو جاں کفار کے سو کوئی مسلم رویت بلال کی خبر دینے والا نہ ہو تو وہ اگر کفار کی رویت بلال پر روزہ رمضان و عید نہ کرے تو کیا کرے۔ ایسے ہی اگر اس کے مرنے کی خبر کفار دیں اگر اس کے مرنے کا اعتبار نہ کیا جائے تو اس کی زوجہ اور اس کے بچے کیا کریں۔ کیا زوجہ ساری عمر اس کے آنے کی منتظر رہے۔ ایسے ہی اس کے ترکے کی تقسیم اس کی زوجہ کی عدت و نماز جنازہ غائب کا کیا حکم ہوگا۔ ایسے امور میں اعتبار کیا جائے گا۔ جب قرآن و حدیث سے بعض امور دینی میں کفار کی خبر کا اعتبار ہے۔ تارکی خبر بھی انہی خاص قسموں میں سے ہے۔ کہ بعد تحقیق مکررہ کرتا



دینے اور نیز مختلف مقامات سے دریافت کرنے سے اگر یقین یا ظن غالب اس کے صدق کا ہو تو قبول ورنہ مردود لکھوں روپے کے کاروبار مرنے وچینے کے حالات تاریکی تاریکی خبر پر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ کوئی بھی ان میں تردد نہیں کرتا۔ اور کبھی ان میں یہ سنا گیا کہ فلاں مقام میں روایت ہلال کی خبر میں تار والوں نے اہل اسلام کو جھوٹی خبر دے کر روزہ رکھا یا ہو۔ یا عید کرائی ہو۔ اور ان کو اس جھوٹی خبر دینے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ ان کو تو ٹکوں سے کام ہے کسے باشد۔

حاجی لوگ سفر یا حج سے کسی حاجی کے مرنے کی خبر تار کے ذریعے دیتے ہیں۔ اس پر عمل ہوتا ہے جنازہ غائب بھی پڑھا جاتا ہے۔ کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ یہ جنازہ امر دینی نہیں تو کیا ہے۔ نیز اول تو تار کے سارے کارکن کافر ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ مسلم بھی ہوتے ہیں۔ نیز روپیہ زیادہ خرچ کر کے خالص مسلمانوں ہی کو زریعہ خبر رسانی تار کا بنایا جاسکتا ہے۔ فافہم وندبر

مولانا عبدالحی لکھنوی کے مجموعہ فتاویٰ جلد اول مطبوعہ یوسف پریس لکھنؤ کے ص 218 میں ہے۔ شہادت خطوط یا تار برقی پس چند فقہالیہ مقامات میں الخط یشبہ الخط لکھتے ہیں۔ لیکن ایسی صورت میں کہ ظن حاصل ہو جائے۔ اور شبہ قوی باقی نہ رہے اور خبر تار ناظر بدرجہ پہنچ جائے۔ اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ اور بحسب اقتضاء انتظام زمانہ حالی اس پر حکم عام بھی دے سکتے ہیں انتہی۔

منع کے دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ روایت ہلال کو اگرچہ فقہانے من وجہ شہادہ لکھا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ امر دینی ہے لہذا روایہ اخبار کے مشابہ ہے۔ اس لئے اس میں شہادت اور نصاب شہادت اور خصوصیت حریت و ذکوریت وغیرہ بھی شرط یا ضروری نہیں حتیٰ کہ غیر عادل یعنی مستر واحد کی روایت بھی کافی ہے۔ تفصیل ہدایہ اور اس کے شرح و حواشی وغیرہ میں ہے تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اول تو قضایا قاضی کی شرط کتاب و سنت سے ثابت نہیں۔ دوم جب فقہاء نے اس کو امر دینی اور مشابہ روایت اخبار لکھا ہے۔ تو پھر قضایا قاضی کی شرط بھی نہ رہی۔ سوم ہندوستان میں قضا کا محکمہ ہی نہیں اگر مفتی عالم کو قائم مقام قاضی ہی بنایا جائے تو دیہات میں یہ بھی اکثر نہیں ہوتے۔ اور حکم شرع کا عام ہے۔ لہذا شرط باطل۔ شبہ 4 کا جواب بھی نمبر 3 میں آ گیا۔ کہ نصاب شرط نہیں۔ اگر وہ بھی تو یہ بھی تار کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ شبہ 5 کا جواب یہ ہے کہ اوپر کی تحقیق سے منجر کی معرفت بھی ہو سکتی ہے۔ مکرر سے کر دریافت کرنے سے اور ٹیلی فون کا معاملہ بالکل واضح ہے۔ کہ اس میں ایک مسلم دوسرے مسلم سے باقاعدہ گفتگو کر سکتا ہے۔ اس کی آواز کو پہچان سکتا ہے۔ شہادت وغیرہ سب امور طے ہو سکتے ہیں۔ لہذا ٹیلی فون کے ذریعے ثقہ کی روایت ہلال کی خبر معتبر ہے۔

جواب نمبر 4۔ ریڈیو بھی سی قسم سے ہے۔ اگر اس کا حال معلوم ہے کہ ثقہ خبر دینا کرتا ہے۔ اور آواز بھی اس کی پہچانتے ہیں۔ تو معتبر ہے ورنہ نہیں۔ اور تمام ہندوستان کو ریڈیو کی خبر پر عید کرنے کا جواب نمبر اور نمبر 2 میں آچکا ہے۔ کہ صرف مستقن المطالع شہر اس پر عمل کریں گے۔ مختلف المطالع اس پر عمل نہ کریں گے۔ مولانا نے اخبار میں لکھا ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک دور دراز کی روایت ہلال حجت نہیں۔ یہ فیصلہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں ہو چکا ہے۔ انتہی

میں کہتا ہوں کہ مولانا نے کچھ تفصیل نہیں کی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کا یہ کونسا فیصلہ ہے۔ اور کس کس محدث کے نزدیک دور کی روایت حجت نہیں۔ غالباً مولانا کی مراد اس سے روایت کریم میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مراد ہے۔ کہ کریم نے ملک شام سے آکر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں کی روایت کی خبر دی۔ تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ اس پر کریم نے کہا کہ آپ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہلال اور روزہ پر بھی اکتفا نہیں کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نہیں کرتے ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کل یا اکثر صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کا فیصلہ نہیں صرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مجمل قول ہے۔ جس کی تفسیر و تشریح مشکل ہے۔ بلکہ اکثر صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کے قول و العمل علیٰ ہذا الحدیث عند اہل العلم سے دھوکا ہو کہ یہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کا فیصلہ ہے تو جواب صرف یہ ہے کہ یہ صرف ایک صحابی رضوان اللہ عنہم اجمعین ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ پھر یہ بھی ثابت نہیں ہو کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول پر دوسرے صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین نے بھی عمل کیا یا نہیں۔ ہاں تین تابعی عکرمہ قاسم۔ اور سالم کا یہ مسلک ہے۔ اور ایک محدث اسحاق کا اور ایک وجہ شافعیہ کی بھی ہے۔ جس کی تفصیل حافظ صاحب نے فتح الباری میں تحریر کی ہے۔ اس امر میں علمائے کرام کے ہجھ اقوال یا مذاہب ہیں۔ پھر فیصلہ صحابہ چہ معنی یوں کہیے۔ کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ وہ بھی مہمل جس کی تشریح مشکل نیل الاوطار میں صاف لکھا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ صرف ابن عباس رضی اللہ



تعالیٰ عنہ کا اجتہاد حجت نہیں ہو سکتا۔ پس قصہ ختم صحیح وہ جو ادپر لکھا جا چکا ہے۔

جواب نمبر 5۔ اس سوال سے اگر یہ غرض ہے کہ بارہبجے دن کے دوسرے شہر سے خبر آئی کہ وہاں کل گزشتہ مغرب کو چاند دیکھا گیا تو اس کا جواب نمبر 1 میں آچکا ہے۔ کہ بعد تحقیق و ثبوت مستحق المطالع شہر سے خبر آنے پر بعد دوپہر بھی روزہ افطار کیا جائے۔ اور اگر یہ غرض ہے کہ بارہبجے دن کے کسی نے اپنے شہر میں چاند دیکھا تو اس کے بارے میں سلف کے دو قول ہیں۔ کہ آیا وہ چاند شب آئندہ کا ہے۔ یا گزشتہ کا۔ راجح قول اول (1)۔ ہے۔ (النجیب الموسعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ عربیہ پگ بنگش دہلی۔ ”نور توحید“ لکھنؤ 10 تا 25 جولائی 1905ء)

1۔ حضرت استاد کے اس فاضلانہ فتویٰ پر بعض حضرات نے تعاقب فرمایا تھا۔ جس کا جواب اور مزید علی تحقیقات خود حضرت استاد موصوف کی قلم سے اخبار نور توحید لکھنؤ۔ 10 نومبر 51ء میں ملاحظہ فرمائیے۔ فقط

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

## فتاویٰ شناسیہ امرتسری

جلد 01 ص 659-666

محدث فتویٰ